آبِ حیات کا منفرد اسلوب

فاروق احمد، ایسوسی ایٹ پروفیسر، شعبۂ اُردو، جی سی یونیورسٹی، لاہور

Abstract

"Aabe-e-Hayat" is a master piece book in the history of urdu literature. It contains information about all the poets from all the ages of urdu literature. Basically Muhammad Hussain Azad was a fiction writer. He has adopted an absolutely unique style in "Abu-e-Hayat".

آزاد ایک صاحب طرز ادیب، مورخ، نقاد، ماہر لسانیات و فرہنگ، تمثیل نگار، مُرقع نگار، تذکرہ نگار، شاعر اور استاد تھے۔ اِن کی نثر اسلوبِ بیان کا ایک رنگین اور دل فریب شاہکار ہے جس نے اِن کے بعد آنے والے ادیبوں کے ایک وسیع گروہ کو متاثر کیا۔ اُردو ادب میں محمد حسین آزاد کا نادر اسلوب ایسا چراغ ہے، جو رفتہ رفتہ بجھنے کی بجائے بھڑکتا جاتا ہے۔ آزاد نے اسلوب کی ساری خوبیوں کو اپنے فن پاروں میں یک جا کر دیا ہے اور ہر خوبی کو انتہائی مہارت سے اُبھارا ہے۔ اسی لیے ان کی تصانیف، قصّہ کہانی کی طرح، مزے لے لے کر پڑھی جاتی ہیں۔ حافظ محمود شیرانی نے لکھا ہے کہ:

> ''فارسی میں ابوالفضل اور ظہوری کے مقلّد پیدا ہو گے مگر آزاد کا ابھی تک کوئی مقلّد پیدا نہیں ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ مولانا آزاد اپنے انداز کے آپ ہی مُوجد اور آپ ہی خاتم تھے۔''[۱]

مولانا محمد حسین کا اسلوب بیان اتنا منفرد ہے کہ اسے آج تک کوئی تقلید نہیں کر سکا۔ آزاد کا اسلوب بیان اِن کی شخصیت کا آئینہ دار ہے۔ آزاد ایک تخیل پرست جذباتی و روحانی طبیعت کے آدمی تھے۔ فکر کے مقابلے میں اِن کے ہاں احساس و جذبہ زیادہ ہے۔ فکری و منطقی ہونے کے بجائے اِن کے ذہن و فطرت میں تخیل کی کارفرمائی زیادہ نظر آئے گی۔ اِن کی شخصیت کا مزاج اور ادبی ذوق کا اثر اِن کے اسلوب بیان پر پڑا اور اس طرح اِن کا اسلوب منفرد ہوا۔ آزاد اس دور کے آدمی ہیں جب تعقل پرستی اور حقیقت پسندی کا دُور دورہ تھا۔ سرسید اور اِن کے رفقائے کار نے ادب کا رُخ تخیل سے تعقل کی طرف، صورت سے معنی اور رومانیت سے حقیقت پسندی کی طرف پھیرا تھا۔ آزاد اس جدید زمانے اور ماحول میں رہنے کے باوجود ماضی سے شدید لگاؤ رکھتے تھے۔ یوں تو مولانا شبلی نعمانی بھی ''ماضی'' سے جذباتی طور پر وابستہ تھے لیکن ان کے پیشِ نظر جدید زندگی کے مسائل کو حل کرنا ہی اِن کا مقصدِ اوّلین تھا۔ آزاد اپنے زمانے کے جدید مسائل کا حل پیش نہیں کرتے لیکن ماضی سے ان کی وابستگی ان کی تحریروں پر اثر انداز ہوتی ہے۔ ماضی

کے ذکر سے اِن کے ہاں ایک پُر تاثیر اور سحر انگیز کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔ آب حیات میں تیسرے اور چوتھے دُور کا خاتمہ ملاحظہ ہو:

''رات آخر ہوگئی مگر جلسہ جما ہُوا ہے اور وُہ سماں بندھ رہا ہے کہ ہر دل سے صَدا آتی ہے۔

ع　　یا الٰہی تا قیامت بر نیاید آفتاب

اس مشاعرے کے شعراء کا کچھ شمار نہیں خدا جانے یہ کتنے ہیں اور آسمان پر تارے کتنے ہیں۔ سننے والے ایسے مشتاق کہ شمع پر شمع پانی ہوتی ہے۔ مگر اُن کے شوق کا شعلہ دھیما نہیں ہوتا۔ یہی آواز چلی آتی ہے۔

ساقیایاں لگ رہا ہے چل چلاؤ
جب تلک بس چل سکے ساغر چلے

آزاد بھولتے ہو؟ دلوں کی نبض کِس نے پائی ہے؟ جانتے نہیں کہ دفعتہً اُکتا جاتے ہیں۔ پھر ایسے گھبرا جاتے ہیں کہ ہاتھوں سے نکل جاتے ہیں۔ بس اب باقی داستان فردا شب۔ ایلو صبح ہوگئی ملول کلام کو ملتوی کرو۔''[۲]

''اے فلک نہ یہ جلسہ برہم ہونے کے قابل تھا، نہ آج رات کا سماں صبح ہونے کے قابل تھا۔ پھر ایسے لوگ کہاں! اور ایسے زمانے کہاں! سیّد انشؔا اور جرأتؔ جیسے زندہ دِل شوخ طبع باکمال کہاں سے آئیں گے۔ شیخ مصحفیؔ جیسے مشاق کیونکر زندہ ہو جائیں گے اور آئیں تو ایسے اور قدر دان کہاں؟ اچھے لوگ تھے کہ اچھا زمانہ پایا اور اچھی گزار گئے۔ وہ جوش خروش، وہ شوخیاں، وہ چلیں اب کہاں!''[۳]

آزاد ایک تخیّل پسند انسان تھے۔ اُن کے ذہن میں ماضی و حال کا کوئی واقعہ، زندگی کی کوئی حقیقت یا کوئی علمی اَدبی مسئلہ آ جائے، بس پھر اُن کی قوت متخیّلہ بیدار ہو کر اپنا کام شروع کر دے گی اور وہ واقعہ، حقیقت یا مسئلہ نہیں رہے گا بلکہ رنگین مُرقّع کی صورت اختیار کر لے گا، جس میں ماحول اور فضا کی جزئیات، کردار اور اشخاص کے حُلیّے اور لباس، اُن کا انداز گفتگو، نشست و برخاست، یہ سب باتیں بڑے توازن اور حُسن ترتیب سے نظر آئیں گی۔ آزاد نے رنگوں کے بجائے لفظوں سے تصویر کاری کی اور جو مُرقّع اُن کے تخیّل میں جنم لیتا ہے اُسے وہ اس خوبی و چابک دستی سے بیان کر دیتے ہیں کہ موقع کی جاندار اور جاذب توجہ تصویر چلتی پھرتی اور بولتی چالتی قاری کی نگاہیں کے سامنے گھوم جاتی ہے۔ آزاد آب حیات میں آتشؔ کے گھر کا نقشہ یوں پیش کرتے ہیں:

''ایک ٹوٹے پھوٹے مکان میں، جس پر کچھ چھپر سایہ کیے تھے، بوریا بچھا رہتا تھا۔ اسی پر ایک لُنگ باندھے صبر و قناعت کے ساتھ بیٹھے رہے اور عمرِ چند روزہ کو اس طرح گزار دیا، جیسے کوئی بے نیاز و بے پرواہ فقیر تکیے میں بیٹھا ہوتا ہے۔ کوئی متوسط الحال اشراف یا کوئی غریب آتا تو متوجہ ہو کر باتیں بھی کرتے تھے۔ امیر آتا تو دھتکار دیتے تھے۔ وہ سلام کر کے کھڑا رہتا کہ

آپ فرمائیں تو بیٹھے۔ یہ کہتے ہوں، کیوں صاحب! بورے کو دیکھتے ہو کپڑے خراب ہو جائیں گے یہ فقیر کا تکیہ ہے، یہاں مسند تکیہ کہاں؟''[۴]

آزاد نے اس مختصر سے منظر میں آتش کی شخصیت کی بھرپور تصویر پیش کر دی ہے۔ آزاد کے اسلوب کی ایک اور خصوصیات تمثیل کا استعمال ہے۔ وہ مختلف کیفیتوں جذبات یا حالت اور صفات کی تجسیم یا تشخیص (Rersonification) کرتے ہیں۔ آزاد اپنی تحریروں میں تمثیلات سے کام لیتے ہیں اور اپنی نثر میں شاعرانہ خصوصیات پیدا کر دیتے ہیں۔ آب حیات میں ولّی کے متعلق یوں لکھتے ہیں:

''یہ نظم اُردو کی نسل کا آدم جب ملکِ عدم سے چلا تو اس کے سر پر اوّلیت کا تاج رکھا گیا۔ جس میں وقت کے محاورے نے اپنے جواہرات خرچ کئے اور مضامین کی رائج الوقت دست کاری سے مینا کاری کی۔ جب کشوور وجود میں پہنچا تو ایوانِ مشاعرہ کے صدر میں اس کا تخت سجایا گیا۔ شہرتِ عام نے جو اس کے بقائے نام کا ایوان بنایا ہے۔''[۵]

''غرض جب ان کا دیوان دلّی میں پہنچا تو اشتیاق نے ادب کے ہاتھوں پر لیا قدر دانی نے غور کی آنکھوں سے دیکھا۔ لذّت نے زبان سے پڑھا۔ گیت موقوف ہو گئے۔ قوال معرفت کی محفلوں میں انہیں کی غزلیں گانے بجانے لگے۔ ارباب نشاط یاروں کو سنانے لگے جو طبیعت موزوں رکھتے تھے، انہیں دیوان بنانے کا شوق ہوا۔''[۶]

آزاد کے اسلوب بیان اور اِن کی انشا پردازی کو سمجھنے کے لیے ان کی مرصع و دلکش نثر کی چند مثالیں پیش کرنا ضروری ہیں۔ آزاد کا طرز بیان اتنا دلکش و دلفریب ہے کہ دماغ اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔ جدّت بیان، مضمون آفرینی اور بلند خیالی اِن کے اسلوب میں جادو کا سا کام کرتی ہے مگر اس کے ساتھ ہی اِن کے فقرے سلیس اور ترکیبیں اور الفاظ شستہ اور برجستہ ہوتے ہیں۔ ملاحظہ ہو:

''جب وہ صاحبِ کمال عالم ارواح سے کشورِ اجسام کی طرف چلا تو فصاحت کے فرشتوں نے باغ قدس کے پھُولوں کا تاج سجایا، جن کی خوشبو شہرت عام بن کر جہان میں پھیلی اور رنگ نے بقائے دوام سے آنکھوں کو طراوت بخشی۔ وہ تاج سر پر رکھا گیا تو آبِ حیات اس پر شبنم ہو کر برسا کہ شادابی کو کملاہٹ کا اثر نہ پہنچے۔ ملک الشعرائی کا سکہ اس کے نام سے موزون ہوا اور اُس کے طغرائے شاہی میں یہ نقش ہوا کہ اس پر نظم اُردو کا خاتمہ کیا گیا۔''[۷]

آبِ حیات میں پانچویں دُور کی تمہید دیکھیے۔ جملوں کی ترتیب، ترکیبوں کی بندش اور کیسے لطیف تشبیہہ و استعارے کس خوبی و حسن کے ساتھ کھپائے ہیں۔

''دیکھنا وہ لالٹینیں جگمگانے لگیں۔ اُٹھو اُٹھو استقبال کر کے لاؤ۔ اس مشاعرے میں وہ بزرگ آتے ہیں، جن کے دیدار، ہماری آنکھوں کا سرمہ ہوئے۔ اس میں دو قسم کے باکمال نظر آئیں گے، ایک وہ کہ جنہوں نے اپنے بزرگوں کی پیروی کو دین آئین سمجھا۔ یہ اُن کے باغوں میں

پھریں گے۔ پُرانی شاخیں زرد پتے کاٹیں چھانٹیں گے اور نئے رنگ نئے ڈھنگ کے گلدستے بنا بنا کر گلدانوں سے طاق و ایوان سجائیں گے۔ دوسرے وہ عالی دماغ جو فکر کے دخان سے ایجاد کی ہوائیں اُڑائیں گے اور بُرج آتش بازی کی طرح اُس سے رُتبہ عالی پائیں گے۔ اُنھوں نے اس ہوا سے بڑے بڑے کام لیے، مگر یہ غضب کیا کہ گردو پیش جو وسعت بے انتہا پڑی تھی، اُس میں سے کسی جانب میں نہ گے، بالا خانوں میں سے بالا بالا اُڑ گئے۔''۸

آبِ حیات میں مرقع کشی کے لاثانی نمونے موجود ہیں۔ مرقع کشی ایک جامع فن ہے، جس میں منظر نگاری کسی خاص تقریب یا تہوار کی تصویر کشی کے ساتھ کسی کردار کی شخصیت نگاری کرنا اور اس طرح آنا کہ ایک ڈرامہ کی سی کیفیت پیدا ہو جائے۔ آبِ حیات میں آزاد نے میر تقی میؔر کے مشاعرے میں آنے کی تصویر کشی لاجواب کی ہے۔

''لکھنو میں پہنچ کر جیسا مسافروں کا دستور ہے ایک سرائے میں اُترے۔ معلوم ہُوا کہ آج یہاں ایک جگہ مشاعرہ ہے۔ رہ نہ سکے۔ اِس وقت غزل لکھی اور مشاعرے میں جا کر شامل ہوئے۔ ان کی وضع قدیمانہ کھڑکی دار پگڑی پچاس گز کے گھیر کا جامہ ایک پُورا تھان پستو لیے کا کمر سے بندھا۔ ایک رومال پٹڑی دار تہ کیا ہُوا اُس میں آویزاں مشروع کا پاجامہ۔ جس کے عرض کے پائچے۔ ناگ پھنی کی انی دار جوتی جس کی ڈیڑھ بالشت اُونچی نوک۔ کمر میں ایک طرف سیف یعنی سیدھی تلوار۔ دوسری طرف کٹار۔ ہاتھ میں جریب، غرض جب داخل ہوئے تو وہ شہر لکھنؤ۔ نئے انداز نئی تراشیں۔ بانکے ٹیڑھے جوان جمع۔ انھیں دیکھ کر سب ہنسنے لگے۔ میؔر صاحب بیچارے غریب الوطن۔ زمانے کے ہاتھ سے پہلے ہی دِل شکستہ تھے اور بھی دل تنگ ہوئے اور ایک طرف بیٹھ گے۔ شمع اُن کے سامنے آئی تو پھر سب کی نظر پڑی اور بعض اشخاص نے پوچھا کہ حضور کا وطن کہاں ہے۔ میؔر صاحب نے یہ قطعہ فی البدیہہ کہہ کر غزل طرحی میں داخل کیا۔

کیا بودو باش پوچھو ہو یُورب کے ساکنو
ہم کو غریب جان کے ہنس ہنس پکار کے
دِلّی جو ایک شہر تھا عالم میں انتخاب
رہتے تھے منتخب ہی جہاں روزگار کے
اس کو فلک نے لوٹ کے ویران کر دیا
ہم رہنے والے ہیں اُسی اُجڑے دیار کے

سب کو حال معلوم ہوا۔ بہت معذرت کی اور میر صاحب سے عفوِ تقصیر چاہی۔''۹

آزاد کے اسلوب کی ایک اور خصوصیت مزاح و طنز کا لطیف عنصر بھی ہے، جسے اِن کا مزاحیہ انداز کہہ

سکتے ہیں۔ مگر آزاد کے طنز و نشتر لطیف ہوتے ہیں، جو دلوں کو مجروح نہیں کرتے کیونکہ اِن کے ہاں ایک طرح کی وضع داری شائستگی و تہذیب ہے۔ اس لیے دوسروں سے بھی شرافت و تہذیب سے پیش آتے ہیں۔ آزاد کے ہاں غالب کی طرح انسان دوستی و انسان ہمدردی کا مادہ بہت ہے۔ شاہ حاتم کے سلسلے میں ظرافت کا ہلکا پھلکا چٹکلہ پن چھوڑا ہے۔

''ایک چھوٹا سا دیوان مُرتّب کیا اس کا نام دیوان زادہ رکھا کیونکہ دیوان سے پیدا ہوا تھا وہ صاحبزادہ بھی پانچ ہزار سے زیادہ کا مال بغل میں دبائے بیٹھا ہے۔'' ۱۰

دراصل آزاد کے ہاں انسانی ہمدردی تکلف و وضع داری اور سلیقے و آدب کا خیال انہیں کھل کر کھیلنے نہیں دیتا۔ اس کے لیے وہ کنائے اشارے سے کام لیتے ہیں۔ آزاد اپنی نثر میں بہتے چشمے کی سی روانی پیدا کرنے کے لیے لفظوں کی ترتیب کو اس طرح جماتے ہیں کہ آمد کا سماں پیدا ہو جاتا ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ یہ نثر بے ساختگی کے عالم میں لکھی گئی ہے۔ آبِ حیات سے ایک مثال پیش کی جاتی ہے:

''میر خلیق نازک خیالیوں میں ذہن لڑا رہے تھے کہ باپ کی موت نے شیشے پر پتھر مارا۔ عیال کا بوجھ پہاڑ ہو کر سر پر گرا، جس نے آمد کے چشمے خاک ریز کر دیے، مگر ہمت کی پیشانی پر ذرا بل نہ آیا۔'' ۱۱

آزاد کے اسلوب بیان پر سینکڑوں سال سے بہنے والی تہذیبی اور ثقافتی روایت کا خلوص، محبت اور انسان دوستی کے اثرات واضح دیکھائی دیتے ہیں۔ تہذیبوں کا زوال ایک بڑے صدمے سے کم نہیں، اِن کی خوشیوں کا مرکز ہمیشہ ماضی رہا اب متاع عشق کے بازار ویران تھے۔ اس کے لیے ''آبِ حیات'' کا خاتمۂ کتاب ملاحظہ ہو:

''پانچواں دُور بھی ہو چکا، مگر سب سوگوار بیٹھے ہیں کہ دُور نہیں ہو چکا، ہندوستان کی پُرانی ہمدم یعنی عاشقانہ شاعری ہو چکی اور اس کی ترقی کا چشمہ بند ہوا۔ اہلِ مشاعرہ نوحہ خوانی کر رہے تھے کہ اے صدر نشینو! تم چلے اور حُسن و عشق کے چرچے اپنے ساتھ لے چلے، کیونکہ متاعِ عشق کے بازار تھے تو تمہارے دم سے تھے۔ نگارِ حسن کے سنگار تھے تو ہمارے قلم سے۔ تم ہی قیس و کوہکن کے نام لینے والے تھے اور تم ہی لیلیٰ و مجنوں کے جوبن کو جلوہ دینے والے۔ لیکن اجسام فانی کی پرستش کرنے والے ہیں، جو کہتے ہیں کہ تم گے اور مشاعرے ہو چکے۔ نہیں نہیں، تمہاری تصنیفیں، تالیفیں، حکایتیں اور روایتیں جب موجود ہیں، تم آپ موجود ہو۔ تمہارے فخر کی دستاریں ایسے تحسین و آفرین کے پھُولوں کے تاجدار ہیں جو ہمیشہ لہلہاتے رہیں گے اور گلے میں اُن کے سدا بہار پھولوں کے ہار ہیں جن تک کبھی خزاں کا ہاتھ نہ پہنچے گا۔'' ۱۲

حواشی:

۱۔ مظہر محمود شیرانی، ڈاکٹر، (مرتب)، مُقالاتِ حافظ محمود شیرانی، جلد سوم، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۹ء، ص: ۲۷

۲۔ آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز چوک اُردو بازار، سن ندارد، ص: ۱۹۲۔۱۹۳

۳۔ ایضاً، ص: ۲۷۶

۴۔ ایضاً، ص: ۳۱۶

۵۔ ایضاً، ص: ۷۵۔۷۶

۶۔ ایضاً، ص: ۷۹

۷۔ ایضاً، ص: ۳۵۵

۸۔ ایضاً، ص: ۲۷۸

۹۔ ایضاً، ص: ۱۷۳

۱۰۔ ایضاً، ص: ۹۸

۱۱۔ ایضاً، ص: ۲۰۹

۱۲۔ ایضاً، ص: ۴۳۴

II